فیض کی شاعری میں استعماری عناصر

ڈاکٹر صائمہ ارم،ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
مظہر اقبال، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، راولپنڈی کینٹ

Abstract

Imperialism is a big tool to exploit the weak nations in different ways. Its shadows can be seen at earlier stage in the shape of coloniolism and now it appears in its extreme shape: globalization. In this article it is discussed that Faiz Ahmad Faiz is most effective, thought-provoking and perhaps the greatest rebellion against imperialism, dictatorship and any other 'ism' that caused damage to any nation in any form.

فیض کا شمار اُردو کے اُن معدودے چند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی طبع رسا اور جدت ادا سے شاعری کی دُنیا میں انوکھے اور نادر مضامین کے در وا کیے، ان کی نظم اور غزل چاشنی و رنگینی، لطافت و نزاکت، معنی آفرینی، نازک خیالی، ذخیرۂ الفاظ، روایت اور تازگی، تصریح و تشریح، صنائع بدائع، خوب و زشت، بیم و رجا، حق و باطل، فرہاد و مجنوں، حسن و عشق، فراق و وصال، حکایات و تصوف، شکست و ریخت، فتح و نصرت کے حسین مرقعے لیے ہوئے ہے۔ فیض کے ہاں جس قدر تنوع اور بوقلمونی کا احساس ملتا ہے وہ اُردو شاعری میں کمیاب بھی ہے اور نایاب بھی۔ مقصد محض فیض کی خوبیاں شمار کرنا نہیں بلکہ حقیقت کا ادراک اور پرچار کرنا ہے۔ فیض کی شاعری میں متنوع قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں لیکن یاد رہے کہ اِن سب کی تان بالآخر انسانیت اور آدمیت پر آکر ٹوٹتی ہے، فیض کی وسیع النظری اور وسیع المشربی غالب سے لگا کھاتی ہے۔ فیض بطور انسان، بطور شاعر ہر دو صورتوں میں ظلم و استحصال کی نفی کرتے ہیں۔ فیضؔ کے ہاں خیر و شر کا تصور روایتی اور گھسا پٹا نہیں ہے، انھوں نے وسعت قلبی اور استعدادِ ذہنی سے اس گھٹن اور جبریت کا خاتمہ اس انداز سے کیا ہے کہ تخریب نے تعمیر کے عمل میں ڈھلنے کا سلیقہ اور شعار خود بخود اور بخوشی اپنایا ہے۔ دھاڑنا اور چنگھاڑنا فیض کا شیوہ نہیں اُن کی بات میں سلیقہ اور نرم روی، اثر پذیری کے تمام درجات اور صفات سے مملو ہے، اُن کا قاری ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ ادبی عقیدت و احترام سے بھی سرشار ہو جاتا ہے۔ فیض

کے اسالیب کی یہی مستی و سرشاری حقیقت پسندی کی نمایاں اطراف کو محیط ہے۔ اُن اطراف پر بھی جو تصوف یا معرفت کے زمرے میں آتی ہیں، ''اشفاق احمد'' کا یہ بیان اس موقف کی تائید میں واضح حیثیت رکھتا ہے۔

> ''کبھی اکیلے بیٹھے بیٹھے، خاموش اور چپ چاپ میں سوچا کرتا ہوں کہ اگر فیض صاحب حضورؐ سرورِ کائنات کے زمانے میں ہوتے تو اُن کے چہیتے غلاموں میں سے ہوتے۔ جب کبھی کسی بدزبان تُند خو، بداندیش یہودی دُکاندار کی دراز دستی کی خبر پہنچتی تو حضورؐ کبھی کبھی ضرور فرماتے! ''آج فیض کو بھیجو'' یہ بھی دھیما ہے، صابر ہے، بُردبار ہے، احتجاج نہیں کرتا پتھر بھی کھا لیتا ہے...... ہمارے مسلک پر عمل کرتا ہے۔''[۱]

اِس تمہید سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ فیض اُن بشری تقاضوں پر پورا اُترتے ہیں جن کا تقاضا فطرت انسان سے کرتی ہے۔ ایسے انسان ہی ہمیشہ جبر، گھٹن، تشدد اور استحصال کے خلاف نہ صرف اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہیں بل کہ اِس کے قلع قمع کے لیے بھی سینہ سپر ہو جاتے ہیں، اِن کی عاجزی سادگی اور انسانیت سے وفا ہی اِن کی طاقت کا سرچشمہ بن جاتی ہے اور اقبال کے الفاظ میں جس کا اظہار اس انداز میں ہوتا ہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن[۲]

فیض کے ہاں ابتدا میں جو مضامین روایتی حیثیت کے ہیں اُن میں اسلوب کی چاشنی موجود ہے جس سے کلام کی نیرنگی اور رعنائی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ ''نقش فریادی'' میں ''مجھ سے پہلے سی محبت مری محبوب نہ مانگ'' تک پہنچتے پہنچتے اِن کی شاعری میں وہ انگڑائی پیدا ہوئی ہے جو استحصالی اور استعماری طاقتوں کے قصرِ ظلمت پر مسلسل تیر برساتی نظر آتی ہے۔ ہمارے نزدیک فیض کے دیگر مضامین کی نوعیت اور بیان بھی اہم درجے کا ہے لیکن جہاں جہاں انھوں نے استعمار اور استحصال کو نشانہ بنایا ہے وہاں جذبات کی رو میں برق رفتاری بھی ہے اور شدتِ تاثر بھی، فیض کا کمال اور کارنامہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے فن کو مقصد کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیتے، انھوں نے مقصدی اور ترقی پسندانہ نظریات کا اظہار بھی شاعری کی کوملتا کو متاثر اور متاخر کیے بغیر کیا ہے۔ اِن کے اظہار کے اسالیب واعظ، نصیحت، تبلیغ اور کھوکھلے پن سے دور رہتے ہوئے حقیقت اور ماہیت تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ انھوں نے برطانوی استعمار، جاگیردارانہ نظام اور عالمی استعماری صورتحال کو ایسے پیش کیا ہے جیسے اِن کے نزدیک یہ وہ روگ ہوں جو معاشروں اور انسانوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہوں، فیض کا بس نہیں چلتا کہ وہ ان استحصالی عناصر کو کیسے اور کتنی جلدی اِن کے انجام سے دوچار کریں اور انسانیت جو ان کے ہاتھوں اپاہج، مفلس اور حیوانیت کی سطح سے بھی نیچے گری ہوئی ہے اُسے اچانک ایک مضبوط سہارا مہیا کریں، ایسا سہارا جسے کوئی استعماری طاقت زک نہ پہنچا سکے۔ ہمارے نزدیک فیض کی ذات کا کرب فیض کی ذاتی زندگی سے نہیں بلکہ سماجی زندگی کے اسی زہرناک پہلو سے پھوٹتا ہے جس کا نام استعمار، یا استحصال ہے۔ اس ضمن میں ''رالف رسل کی یہ رائے ملاحظہ ہو:

> ''فیض کی شاعری اُن کے جذبات اور تمناؤں کو وہ اظہار بخشتی ہے جس کی اُنھیں ضرورت ہے اور جس کے وہ مستحق ہیں اور یہ شاعری مدت تک ظلم سے نفرت، پسے ہوئے لوگوں سے ہمدردی اور ایک خوب تر دُنیا کی خواہش کے جذبات اُبھارتی رہے گی۔''[۳]

فیض کے ذاتی حالات یا خاندانی پس منظر انہیں یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ غریبوں کی ہمنوائی کریں کیونکہ اُن کا تعلق متمول گھرانے سے تھا اور زندگی کی نعمتیں اُنہیں کثیر حد تک میسر تھیں، مراد وہ خاندانی مجذوب یا مجبور و بے بس نہیں تھے کہ درویشی، توکل، اور نہ چاہتے ہوئے بھی صبر کے اجر پر تکیہ کیے بیٹھے رہیں، یہ فیض کا ضمیر تھا جس نے اُنہیں تمام سہولتوں کے باوجود اُس بڑی کمی اُس بڑی قلت سے روشناس کرایا جو اِس کے معاشرے کو لاحق تھی، جو دُنیا کو لاحق تھی اور جس نے تمام عالم کو مفلوج اور اپاہج بنا کے رکھ دیا تھا۔ فیض احسان دانش وغیرہ کی طرح مزدور بھی نہیں تھے کہ مزدوروں کی زندگی کے تجربے کے تحت اِن کے حق میں رسمی آواز بلند کرتے۔

فیض کے ہاں جذبے کی تاثیر اور صداقت، خلوص اور ہمدردی، ایثار اور قربانی، درویشی اور توکل، سماج سدھار رویہ کسی ضرورت، مسلک، قدغن یا پابندی سے مشروط نہیں یہی سبب ہے کہ اس پر تصنع یا ملمّع کا گمان نہیں ہوتا۔ فیض نے تا دمِ مرگ اُس روگ، جوگ اور سنجوگ کو نبھایا ہے جسے انھوں نے خود اپنی مرضی اور پوری آزادی سے اپنے لیے چنا تھا، فیض نے اس مسلک سے جس طرح وفا کی ہے وہ سچی مبارک باد کے مستحق ہیں، یہ راہ یہ مسلک آسان نہیں فیض کو اس راہ کی تمام تر مشکلات کا اندازہ ہے، فیض کے ناقدین اور محققین نے اِس حوالے سے بہت سی تصریحات توضیحات بھی پیش کی ہیں اُس تفصیل میں جانا ہمیں درکار نہیں، کیوں کہ خود فیض کی زبانی اِس سب کچھ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان جب انسان کے حق میں آواز بلند کرتا ہے تو انسان ہی کو انسان کے ہاتھوں کیا کیا چرکے لگتے ہیں مگر تمام تر جسم زخمی ہونے کے باوجود روح کی روئیدگی، بالیدگی میں بے پناہ اضافہ ہوتا جاتا ہے، وہ رفعت وہ ترفع بغیر اس ریاضت کے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جو مستقل بھی ہو اور پائیدار بھی، پھر یہ ریاضت کیا ہے، فیض کی زندگی خود اِس کی بہت بڑی مثال ہے اپنے لفظوں اور رویے پر ایسے قائم رہنا کہ آپ کے لفظ آپ کی پہچان بن جائیں، حق سچ کی خاطر سہہ جانے والے سانحے اور حوادث آپ کی جان بن جائیں اور آپ کے نظریات کی صداقت آپ کا ایمان بن جائے، فیض کی زندگی کا بیش تر حصہ منفی اور استحصالی قوتوں سے برسرِ پیکار رہنے میں گزرا، اُن پر کئی سانحات گزرے، کڑا وقت آیا مگر انھوں نے اپنے کہے سے وفا کی۔ دُکھ، تکلیف، چبھن، استبداد، جبر، سب برداشت کیا کیونکہ وفا کی راہ پہ چلنے کے لیے راہ کی تکلیف اور رکاوٹ سمجھ لینے کے باوجود بھی رستہ بدلا نہیں جا سکتا، بقول فیض:

ہاں جاں کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن کیا کیجیے
ہر راہ جو اُدھر کو جاتی ہے مقتل سے گزر کر جاتی ہے[۴]

فیض اپنے مقصد پر ڈٹے ہوئے تھے اور ہر قسم کے تعصب سے پاک اور فخر و غرور سے بے نیاز ہو کر اِس راہ میں کامیابی کے جھنڈے گاڑتے چلے جا رہے تھے۔ اِس راہ میں ان کا عجز و انکسار اور ''استعمار'' کے خلاف مستقل

مزاحمت کا رویہ، ''دو متوازی مگر متضاد رجحان، کہاں درویشی اور کہاں بھیڑیوں سے ٹکر؛ دیدنی بھی تھا اور شنیدنی بھی؛ انھوں نے یہ سب کچھ کیا، مگر کبھی خود اِس بارے نہ بات کی نہ کبھی شیخی اور شوخی کا اظہار کیا:

> ''اپنے بارے میں باتیں کرنے سے مجھے سخت وحشت ہوتی ہے اس لیے کہ سب بور لوگوں کا مرغوب شغل یہی ہے...... تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے اپنے بارے میں قیل وقال بُری لگتی ہے بلکہ میں حتیٰ الامکان شعر میں بھی واحد متکلم کا صیغہ استعمال نہیں کرتا، اور ''میں'' کی بجائے ہمیشہ ''ہم'' لکھتا آیا ہوں۔''۵

فیض کے نزدیک عوامی حقوق اور سماجی اصلاح کے لیے قومی یا بین الاقوامی سطح پر آواز اٹھانے کے لیے حد درجہ انانیت، نام نہاد انقلابیت، اور نرگسیت میں مبتلا ہونا ضروری نہیں اگر کوئی شاعر ادیب ایسا ہے تو وہ ترقی پسندانہ رجحان اور اشترا کی سوچ سے عاری ہے۔ فیض ترقی پسند اور اشترا کی بعد میں ہیں پہلے وہ حقیقت نگار ہیں۔ اُن کے مطابق:

> ''یہ تصوّر کہ کوئی ایک فرد یا کوئی ایک شخص انقلاب کو اپنی ذات میں سمیٹ سکتا ہے قطعاً غیر اشترا کی ہے اور اشترا کیوں کے بقول رجعت پسندانہ ہے۔''۶

اب ذرا درج بالا بحث کی روشنی میں فیض کے ان اشعار کی طرف توجہ ملاحظہ ہو کہ باوجود لہجے میں ٹھہراؤ اور شائستگی ہے لیکن کیا یہ استعماری طاقت اور سوچ پر بہت کڑا اور گہرا وار نہیں ہے۔

یونہی ہمیشہ اُلجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے، نہ اپنی جیت نئی
اسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے ۷

اِس شعر کے رمز و ایما اور لب و لہجے پر غور کرتے ہوئے ''استعماری عناصر'' پر طنز کا انداز دیکھیے:

دست صیاد بھی عاجز، ہے کف گلچیں بھی
بوئے گل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے
ہم نے جو طرزِ فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیض گلشن میں وہی طرزِ بیاں ٹھہری ہے ۸

جوشؔ، ظفرؔ، حسرتؔ وغیرہ کے ہاں بھی ''استعمار'' کے خلاف بلند و بالا غلغلہ اور آتش بیانی کی فضا دیکھی جا سکتی ہے اور اپنی جگہ اس کی بھی اہمیت مسلّم ہے لیکن ہمارے خیال میں فیض نے ''فکر وفن'' کو مقصدیت کا لبادہ پہنا کر

بھی اِس کی الگ حیثیت برقرار رکھی ہے فیض نے ادب کا ادبی رتبہ کبھی اپنے منصب سے نیچے نہیں آنے دیا پھر یہ کہ انھوں نے استعمار کی تمام شکلوں کی بیخ کنی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، اُن کی شخصیت کا عملی اور سیاسی پہلو بھی استعمار اور استحصال کے خلاف جامع انداز میں منظر پر آتا ہے جہاں کوئی مصلحت یا کوتاہ ہمتی اِس کے آڑے نہیں آتی، سید سجاد ظہیر قید کے زمانے کے حوالے سے فیض کے بارے رقم طراز ہیں:

''.....کبھی میرا ذہن اُس کی تخیل کی اُن شاداں اور فرحاں گل کاریوں سے کسبِ شعور کرتا جہاں جدید جدلیاتی علم کی ضیا پاشیاں، انسانیت کے شریف ترین جذبات سے اِس طرح مل گئی ہیں جیسے شعاعِ مہر سے تمازت۔''۹

''فیض'' کے یہاں ''استعماری طاقتوں'' کے کرتوت وسیع تناظر میں سامنے آتے ہیں جہاں مشرق و مغرب میں دولت کی ہوس رکھنے والے انسان کو سولی چڑھا کر مادہ پرستی کی آگ میں ٹھنڈے جھونکے تلاش کرتے ہیں:

کچھ لوگ ہیں جو اس دولت پر پردے لٹکائے پھرتے ہیں
ہر پربت کو ہر ساگر کو نیلام چڑھائے پھرتے ہیں
کچھ وہ بھی ہیں جو لڑ بھڑ کر یہ پردے نوچ گراتے ہیں
ہستی کے اُٹھائی گیروں کی ہر چال اُلجھائے جاتے ہیں
یہ کالک بھرتے پھرتے ہیں وہ جوت جگاتے پھرتے ہیں
یہ آگ لگاتے پھرتے ہیں وہ آگ بجھاتے پھرتے ہیں۱۰

''فکر و خیال'' میں نئی لے اور جدت طرازی کی شعوری کوشش آورد کی حد تک فیض کے ہاں بالکل نظر نہیں آتی ہاں انقلابی اور استعماری عناصر کے بیان میں وہ حسبِ ضرورت تبدیلیوں سے گریز بھی نہیں کرتے۔ بقول سید احتشام حسین:

''اِن کی آواز میں قدیم شعرا کا وزن اور فنکارانہ کمال بھی ملتا ہے اور نئی زندگی کی بے چینی اور انقلابی حوصلہ بھی، انھوں نے روایات سے محض اتنا ہی ہٹنے کی کوشش کی ہے جتنا اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ضروری سمجھا ہے۔''۱۱

فیض کے ہاں ''استعمار'' کے خلاف کھل کر لکھنے کی روش دوسری جنگِ عظیم کے آغاز پر سامنے آئی، انھوں نے استعماریت اور فسطائیت دونوں سے نفور ہونے کی بنا پر شدت سے اِن کے خلاف لکھا اور عالمی استعماری صورت حال پر بروقت اور بجا تشویش کا اظہار اپنے اشعار میں کیا، انھوں نے علامت اور استعارے کے پردے میں اور بعض اوقات بغیر کسی لگی لپٹی کے رواں انداز میں استحصالی طاقتوں کو اندرون ملک اور بیرون ملک جہاں کہیں بھی یہ عناصر موجود تھے کھل کر ہدفِ تنقید ٹھہرایا۔ انھوں نے یکدم صورتحال پر ہلّہ نہیں بولا بلکہ ایک خرام ایک روانی اور ایک ارتقا اِن کے ہاں اِس سلسلے میں نظر آتا ہے۔ وہ صورت حال کے اظہار کی مناسب پیش بندی کے بعد اصل بات کی طرف

آتے ہیں تاکہ قاری سیاق وسباق سمیت بات سمجھ سکے۔

ہم پہ مشترکہ ہیں احسانِ غمِ اُلفت کے اتنے احسان کہ گنواؤں تو گنوا نہ سکوں
ہم نے اِس عشق میں کیا کھویا ہے کیا سیکھا ہے جز ترے اور کو سمجھاؤں تو سمجھا نہ سکوں
عاجزی سیکھی، غریبوں کی حمایت سیکھی یاس و حرمان کے دُکھ درد کے معنی سیکھے
زیرِ دستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا سرد آہوں کے رُخِ زرد کے معنی سیکھے

اب دیکھیے مذکورہ بیانات کو اِن بیانات کے ساتھ کیسے پیوست کرتے ہیں۔

جب کہیں بیٹھ کے روتے ہیں وہ بیکس جن کے اشک آنکھوں میں بلکتے ہوئے سو جاتے ہیں
ناتوانوں کے نوالوں پہ جھپٹتے ہیں عقاب بازو تولے ہوئے منڈلاتے ہوئے آتے ہیں
جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے
آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے نہ پوچھ اپنے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے۱۳

''رسول حمزہ کے افکار'' کے حوالے سے ''بہ نوکِ شمشیر'' کے یہ اشعار فیض کی اُس رغبت اور تحرک کا احساس دلاتے ہیں جو انہیں عالمی استعمار کے خلاف عملی جدوجہد کا پیغام اور نبرد آزمائی کی تلقین کرتے ہیں:

میرے آباء کہ تھے نامحرمِ طوق و زنجیر
وہ مضامیں جو ادا کرتا ہے اب میرا قلم
نوکِ شمشیر پہ لکھتے تھے بہ نوکِ شمشیر
روشنائی سے جو میں کرتا ہوں کاغذ پہ رقم
سنگ وصحرا پہ وہ کرتے تھے لہو سے تحریر۱۴

فیضؔ نے غزل کو بھی ترقی پسندانہ رجحان اور استعمار مخالف رَو سے روشناس کرایا انھوں نے تبدیلیٔ افکار کا پرچار کرتے ہوئے فرسودہ، کہنہ، استحصالی اور استعماری نظام کو نہ صرف ہدفِ تنقید بنایا بل کہ اِس کا تجزیہ، توضیع وتعبیر بھی کی انھوں نے سچے فن کار کی طرح غزل کو عصری حیثیت عطا کی اور مقصدی خیالات کو ''تغزل'' کی چاشنی سے لبریز کیا۔ بقول ڈاکٹر ابواللیث صدیقی: ''نظموں سے قطع نظر غزل گو حیثیت سے بھی وہ اُردو کے عصری ادب میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔''۱۵

فیضؔ کے ہاں جدید شعور کی عکاسی انھیں ترقی پسندوں میں مؤثر اور ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ انھوں نے اپنی آواز کی لے کو استحصال کے خلاف کبھی مدہم نہیں ہونے دیا، فیض ''سام راج دشمن'' کے طور پر ہمیشہ آزادی کی طلب کرنے والوں کے علم بردار رہے اس ضمن میں انھوں نے اندرونی اور بیرنی سامراجی طاقتوں اور اِس کے گماشتوں سے چر کے بھی کھائے لیکن استقلال کے ساتھ سب کچھ برداشت کیا، مسئلہ کشمیر پر بھی اُن کا مؤقف واضح تھا اور وہ استعماری طاقتوں کی شرارت کو حتی المقدور ملعون اور مطعون ٹھہراتے تھے، فیض کی شاعری میں ایسی آفاقیت

ہے جو لاطینی امریکا، افریقا اور ایشیا کے تمام مظلوموں اور محکوموں کی آواز ہے، فیض کے مطابق ہر عہد میں متضاد عوامل اور قوتیں آپس میں برسرِ پیکار رہی ہیں فیض کے مطابق جنگ کے معنی آدم کی بقا اور فنا کے ہیں، کچھ استعماری طاقتیں انسانوں پر اپنی دولت فیکٹریوں اور بینکوں کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ حقیقی انسانیت پر مبنی رویے ان طاقتوں کے ایسے اقدام کے خلاف نبرد آزما نظر آتے ہیں۔فیض نے اس طرف بھی اپنی نظم و نثر میں اشارے کیے ہیں کہ عالمی طاقتیں نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد بھی اِن ممالک میں ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے جال بچھانے میں مصروف ہیں لہٰذا ان کے خلاف محاذ آرائی اور صف بندی ضروری ہے۔فیض نے ادیب کی ذمہ داریوں میں یہ ذمہ داری بھی عائد کی ہے کہ نو آبادیاتی قوتوں کی مذمت کی جائے اور سامراج کے خلاف قلمی طاقت یا جہاد سے بند باندھا جائے۔قلم قبیلے کی آگہی کے لیے انھوں نے عالمی امن اور عالمی آزادی کا بار ہا چرچا کیا ہے۔گویا فیض کے الفاظ میں:

چشمِ نم جانِ شوریدہ کافی نہیں تہمتِ عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پابجولاں چلو دست افشاں چلو مست و رقصاں چلو
خاک بر سر چلو خوں بداماں چلو راہ تکتا ہے سب شہرِ جاناں چلو
حاکمِ شہر بھی مجمعِ عام بھی تیر الزام بھی سنگِ دشنام بھی
صبحِ ناشاد بھی روزِ ناکام بھی ان کا دم ساز اپنے سوا کون ہے
شہرِ جاناں میں اب باصفا کون ہے دستِ قاتل کے شایاں رہا کون ہے
رختِ دل باندھ لو دل فگارو چلو پھر ہمیں قتل ہو آئیں یارو چلو [16]
قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علم اور نکلیں گے عشاق کے قافلے
جن کی راہِ طلب میں ہمارے قدم مختصر کر چلے درد کے فاصلے
کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم جاں گنوا کر تیری دلبری کا بھرم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے [17]

فیض کو سامراج، سرمایہ داری، جاگیرداری اور ایسے کسی بھی نظام سے سخت نفرت ہے جس کے نتیجے میں استحصال ہوتا ہو۔فیض کے نزدیک:

> ''انسانیت کی ابتدا سے اب تک ہر عہد اور ہر دور میں تضاد عوامل اور قوتیں برسرِ عمل اور برسرِ پیکار ہیں۔ یہ قوتیں ہمیں تخریب و تعمیر، ترقی اور زوال، روشنی اور تیرگی انصاف دوستی اور انصاف دشمنی کی قوتیں، یہی صورت آج بھی ہے اور نوعیت کی کشمکش آج بھی جاری ہے۔'' [18]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کبھی خیر کی کوشش ترک نہ کرے اور ہر حال میں ظالم کے خلاف احتجاج کی صدا بلند رکھے، اِس سلسلے میں فیض کی نظم ''تین آوازیں'' میں سے آخری آواز ''ندائے غیب'' پیشِ خدمت ہے۔

ہر اک اولیِ الامر کو صدا دو

کہ اپنی فردِ عمل سنبھالے
اُٹھے گا جب جمع سرفروشاں
پڑیں گے دار و رسن کے لالے
کوئی نہ ہوگا کہ جو بچا لے
جزا سزا سب یہیں پہ ہوگی
یہیں عذاب و ثواب ہوگا
یہیں پہ روزِ حساب ہوگا۱۹

اِن کی نظم ''آجاؤ ایفریقا''، ''ایرانی طلبا کے نام'' وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن سے اِن کی بین الاقوامی سوچ اور شعور کا ادراک ہوتا ہے، انسان دوستی کا سبق ملتا ہے اور ان اشعار سے اُن کا وہ سیاسی شعور سامنے آتا ہے جس میں منفی طاقتیں سچ اور نیکی کو پروان نہیں چڑھنے دیتیں ''ہم تو مجبورِ وفا ہیں'' میں کہتے ہیں:

تیرے ایوانوں میں پرزے ہوئے پیماں کتنے کتنے وعدے جو نہ آسودۂ اقرار ہوئے
کتنی آنکھوں کو نظر کھا گئی بدخواہوں کی خواب کتنے تری شہ راہوں میں سنگسار ہوئے۲۰

زبان و بیان اور استعماری پر گرفت کا یہ انداز ملاحظہ ہو:

پھر برق فروزاں ہے سرِ وادیٔ سینا
پھر رنگ پہ ہے شعلۂ رُخسارِ حقیقت
پیغامِ اجل دعوتِ دیدارِ حقیقت
اے دیدۂ بینا، اب وقت ہے دیدار کا دم ہے کہ نہیں ہے
پندارِ جنوں حوصلہ راہِ عدم ہے کہ نہیں ہے
پھر دل کو مصفا کرو اِس لوح پہ شاید
مابینِ من و تو نیا پیماں کوئی اُترے
اب صدیوں کے اقرارِ اطاعت کو بدلنے
لازم ہے کہ انکار کا فرماں کوئی اُترے۲۱

فیض کا یہ شعور روایت اور جدّت کا حسین امتزاج بھی ہے اور انسان کے لیے خلوص کا بہترین معیار بھی اور شر اور استحصال کی گرفت بھی، خلیل الرحمٰن اعظمی کی رائے میں:

''یہ شعور زندگی کے حقائق تک رسائی حاصل کر لینے یا سیاسی و سماجی مسائل کو اہم سمجھ لینے پر ہی منحصر نہیں......انھوں (فیض) نے اپنی شخصیت کے تمام عناصر میں ایک مرکزیت بھی پیدا کی ہے۔''۲۲

فیضؔ نے فکرِ فردا اور علاجِ گردشِ لیل و نہار کے نئے ڈھنگ اور نئے اسالیب نکالے ہیں ایسے اشعار میں

بھی اِن کا مزاحمتی رنگ پھیکا نہیں پڑتا ''پاؤں سے لہو کو دھو ڈالو'' میں یوں گویا ہوتے ہیں:

سب دیکھنے والے کہتے تھے یہ کیسی ریت رچائی ہے
یہ مہندی کیوں لگائی ہے وہ کہتے تھے کیوں قحط وفا
کا ناحق چرچا کرتے ہو پاؤں سے لہو کو دھو ڈالو
یہ راہیں جب اٹ جائیں گی سو رشتے ان سے پھوٹیں گے
تم دل کو سنبھالو جس میں ابھی سو طرح کے نشتر ٹوٹیں گے[۲۳]

اِن کی نظم ''ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے'' کے ضمن میں میجر اسحٰق محمد لکھتے ہیں:

> ''ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے'' روزنبرگ (Rosen Berg) جوڑے کی بے مثال قربانی سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے یہاں وہ مرتے دم تک انسانیت کے مستقبل، انقلاب یا محبت یا ان سب کے ساتھ اپنی وفاداری جتلاتے رہتے ہیں۔ اس نظم کی آفاقیت عجیب وغریب ہے اس نے صدیوں کو پاٹ کر ہر زمانے اور ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے ہر ملک کے شہیدوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے، یہ نظم کربلا، پلاسی، سرنگا پٹم، یدکی، جھانسی، جلیانوالہ، قصہ خوانی، سٹالن گراڈ، ملایا کینیا، کوریا، تلنگانہ، مراکش، تیونس سبھی سے متعلق معلوم ہوتی ہے اور طہران، کراچی، ڈھاکہ کی سڑکوں پر دم توڑتے طلبہ، مراکش، تیونس، کینیا اور ملایا کے خون میں لت پت مجاہد، سب ایک ہی جانفروز نعرہ دہراتے سنائی دیتے ہیں۔''[۲۴]

وہ نعرہ وہ جذبہ وہ فریاد یہی ہے کہ ظلم سے کبھی ہار نہ مانی جائے کبھی اِس کے سامنے گردن خم نہ کی جائے، کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو درج بالا صورت حال اور عزم صمیم کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا، یہ نظم فیض کے تعمیری اور انتہائی مثبت خیالات کا پوتر پرتو ہے یہی سبب ہے کہ اس نظم سے متعلق طویل رائے بھی پیش کی گئی ہے درحقیقت فیض کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں یہ رائے مفید بھی ہے اور تاریخی تسلسل کی حامل بھی وہ تسلسل جو ''استعمار دشمنی'' پر مبنی ہے۔ یہ فیض ہی تو ہیں جو انقلاب اور تغیر کی لہر کو جب چاہیں جتنا چاہیں اُتنا اُچھال دے سکتے ہیں، اِن کا یہ سوال:

مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے منصف ہو تو اب حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے[۲۵]

آج بھی عالمی استعمار کا گریبان پکڑے ہوئے ہے کیونکہ عراق، افغانستان، ایران، شام، مصر، لبنان، یمن، سعودی عرب، لیبیا، فلسطین، چیچنیا، بوسینا اور خود پاکستان میں عالمی استعمار جس طرح دخل اندازی کر رہا ہے اور جتنا انتشار برپا کر چکا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایشیا میں بربادیٔ امن کا ذمہ دار یہی عالمی استعمار ہے۔

فیض کی شخصیت میں جو ارتقا اور ترقی کا عنصر بتدریج شامل رہا ہے اس میں اُن کے گھریلو ماحول اور تدریسی فضا کا بھی برابر کا ہاتھ ہے۔ اُن کا وژن بنانے میں کئی عناصر کارفرما تھے۔ ان کا وسیع مطالعہ، انگریزی ادب سے لگاؤ، سیاسی افق پر ہونے والی تبدیلیاں، مختلف شعرا غالب فیض اور دیگر بہت سوں کے علاوہ مغربی شاعری سے

شناسائی اور سب سے بڑھ کر بقول فتح محمد ملک کہ فیض کی شخصیت کو ایک نئی پہنائی سے آشنا کرنے اور ان کے انقلابی شعور کو تیز کرنے میں میر حسن اور ابراہیم میر سیالکوٹی کا خاص کردار ہے۔۲۶ فیض نے انھی سنہری روایات کے تحت اپنے سفر کو آگے بڑھایا ہے جو کبھی کہنہ یا فرسودہ نہیں ہوسکتیں آج اکیسویں صدی میں بھی فیض کے استعمار مخالف نظریات میں کتنی جان ہے۔ڈاکٹر سعادت سعید کی زبانی سنیے:

''آج جو انسان کو ایک رنگ میں رنگنے کی مصنوعی اور مکارانہ کوششیں ہو رہی ہیں اس کے خلاف فیض احمد فیض نے جذباتی شدت سے آواز بلند کی ہے اور انسان کی تنہائی، بیگانگی، ترکِ وطن، بیروزگاری، غلامی اور استحصال کے خلاف کھل کر لکھا ہے۔''رات'' ان کی شاعری میں استعماری مظالم، کا استعارہ ہے اور ''دن'' صبح یا سحر مظلوم آبادیوں کے لیے پیغامِ نوید۔''۲۷

آج فیض کے کلام کا مطالعہ عصری بربریت اور نام نہاد فوقیت کے طلسم کو توڑنے اور انسانیت کو باہمی اُخوت کے رشتے میں جوڑنے کے لیے بہت مفید ہوسکتا ہے۔ ہماری نئی نسل کو ان حقائق سے آگاہ ہونا چاہیے جن سے زندگی عبارت ہے اور استحصالی اور استعماری ہتھکنڈوں کا مناسب جواب بھی اسی صورت ممکن ہے جب حقیقت اور ماہیت سے پوری آگہی حاصل ہو جائے، فیض کی انسان دوستی اور استعمار دشمنی کے ضمن میں میجر اسحٰق کی یہ رائے اِن کی حیثیت اور رُتبے کی پوری طرح عکاس ہے اور اسی پر ہم اپنی بات کی تکمیل کرتے ہیں:

''فیض صاحب اُن انسانیت نواز روایات سے تعلق رکھتے ہیں جو ہزاروں سال سے دونوں ملکوں کی سرزمین کا خاصہ رہی ہیں، وہ اس سلسلے کی کڑی ہیں جسے امیر خسرو، بھگت کبیر، خواجہ معین الدین چشتی، بابا نک، بابا فرید، ابوالفضل، فیضی، بلھے شاہ، وارث شاہ، شاہ عبداللطیف بھٹائی، رحمان بابا اور دوسرے بہت سے بزرگوں نے فیض بخشا ہے۔''۲۸

حوالہ جات

۱۔ اشفاق احمد، ملامتی صوفی، مشمولہ نسخہ ہائے وفا، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص:۵۰۴

۲۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (متن وشرح)، (لاہور: شیخ بشیر اینڈ سنز، اُردو بازار، س ن)، ص:۲۳۶

۳۔ رالف رسل، اُردو ادب کی جستجو، (کراچی: انجمن ترقی اُردو، پاکستان، ۲۰۰۳ء)، ص:۴۲۴

۴۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص:۲۷۱

۵۔ فتح محمد، ملک، تعصبات، (لاہور: مکتبۂ فنون، ۱۹۷۳ء)، ص:۲۵۰

۶۔ ایضاً، ص:۲۵۱

۷۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، حوالہ مذکور، ص:۱۶۱

۸۔ ایضاً،ص:۱۶۵

۹۔ سجاد ظہیر،سید،سر آغاز،مشمولہ نسخہ ہائے وفا،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۵ء)،ص:۱۹۵

۱۰۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا،حوالہء مذکور،ص:۲۳۱

۱۱۔ احتشام حسین،سید،اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ،(لاہور:مکتبہء خلیل،۱۹۷۹ء)،ص:۲۷۶

۱۲۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا،حوالہء مذکور،ص:۶۹

۱۳۔ ایضاً،ص:۷۰

۱۴۔ ایضاً،ص:۴۷۳

۱۵۔ ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر،آج کا اُردو ادب،(لاہور:فیروزسنز،۱۹۷۰ء)،ص:۱۸۸

۱۶۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا،حوالہء مذکور،ص:۳۳۹

۱۷۔ ایضاً،ص:۴۷۳

۱۸۔ مرزا ظفرالحسن،ذکرِ یار چلے،(حیدرآباد:حسامی بک ڈپو،۱۹۷۹ء)،ص:۲۶۲

۱۹۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا،حوالہء مذکور،ص:۶۳۹

۲۰۔ ایضاً،ص:۶۴۴

۲۱۔ ایضاً،ص:۴۲۷

۲۲۔ خلیل الرحمٰن اعظمی،اُردو میں ترقی پسند ادبی تحریک،(علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس)، ص:۱۳۸

۲۳۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا،حوالہء مذکور،ص:۵۲۴

۲۴۔ میجر اسحٰق،روداد قفس،مشمولہ نسخہ ہائے وفا،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۵ء)،ص:۲۲۰

۲۵۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا،حوالہء مذکور،ص:۳۳۴

۲۶۔ فتح محمد ملک،پروفیسر،فیض شاعری اور سیاست،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۸ء)، ص:۱۹

۲۷۔ سعادت سعید،ڈاکٹر،استعماری ایجنڈا اور فیض کی شاعری،مشمولہ،موجودہ عالمی استعماری صورتحال اور فیض کی شاعری،مرتبہ شیخ عبدالرشید،(شعبۂ تصنیف و تالیف،یونیورسٹی آف گجرات،مارچ ۲۰۱۱ء)،ص:۹۷

۲۸۔ میجر اسحٰق،رودادِ قفس،مشمولہ،نسخہ ہائے وفا،(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۵ء)، ص:۲۷

مآخذ:

۱۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، آج کا اُردو ادب، لاہور: فیروزسنز، ۱۹۷۰ء۔

۲۔ احتشام حسین، سید، اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ، لاہور: مکتبۂ خلیل، ۱۹۷۹ء۔

۳۔ اشفاق احمد، ملامتی صوفی، مشمولہ نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء۔

۴۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، اُردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس۔

۵۔ رالف رسل، اُردو ادب کی جستجو، کراچی: انجمن ترقی اُردو، پاکستان، ۲۰۰۳ء۔

۶۔ سجاد ظہیر، سید، سر آغاز، مشمولہ نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء۔

۷۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، استعماری ایجنڈا اور فیض کی شاعری، مشمولہ، موجودہ عالمی استعماری صورتحال اور فیض کی شاعری، مرتبہ شیخ عبدالرشید، شعبۂ تصنیف و تالیف، یونیورسٹی آف گجرات، مارچ ۲۰۱۱ء۔

۸۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، فیض شاعری اور سیاست، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء۔

۹۔ فتح محمد، ملک، تعصبات، لاہور: مکتبۂ فنون، ۱۹۷۳ء۔

۱۰۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء۔

۱۱۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (متن وشرح)، لاہور: شیخ بشیر اینڈ سنز، اُردو بازار، س ن۔

۱۲۔ مرزا ظفر الحسن، ذکرِ یار چلے، حیدرآباد: حسامی بک ڈپو، ۱۹۷۹ء۔

۱۳۔ میجر اسحٰق، رودادِ قفس، مشمولہ، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء۔

☆☆☆